24

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولوں پر سنجیدگی سے ایمان نہیں لاتا اُس کے سارے کام بے حقیقت ہو جاتے ہیں

(فرمودہ 17 /جولائی 1953ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہّد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

"دنیا میں سب چیزوں سے اہم اور سب چیزوں سے زیادہ بھروسا کے قابل انسان کی سنجیدگی ہوتی ہے۔ جب تک اس میں سنجیدگی نہ ہو اُس وقت تک اس کے کسی کام پر نہ اعتبار ہو سکتا ہے اور نہ بھروسا ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی نتیجہ نکل سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات کتنی اہم اور کتنی مقدم ہے۔ ساری کائنات کا پیدا کرنے والا ہے۔ ساری ہستیاں اُس کی محتاج ہیں اور سارے کام اُس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ لیکن اِس کے باوجود اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ پر سنجیدگی سے ایمان نہیں لاتا اور اُس کی ذات اُس کے سامنے ہر وقت حاضر نہیں رہتی تو اُس کے سارے کام بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ کے رسول کتنی شان کے مالک ہیں اور رسالت کتنی اہم چیز ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص رسالت کے ساتھ بھی سنجیدگی سے تعلق نہیں رکھتا تو رسالت پر ایمان لانا اُسے فائدہ نہیں دے سکتا۔ چنانچہ دیکھ لو صحابہؓ بھی رسول کریم ﷺ پر ایمان لائے تھے اور آجکل

کے مسلمان بھی رسول کریم ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔

جہاں تک زبان کا سوال ہے۔ وہ بھی لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ سے بڑھ کر کچھ نہیں کہتے تھے اور آجکل کے مسلمان بھی لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ سے کچھ کم نہیں کہتے۔ مگر باوجود اس کے ان کو لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ نے جس مقام پر پہنچا دیا تھا۔ اس مقام پر آجکل کا مسلمان لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کہہ کر نہیں پہنچا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ میں کوئی نقص ہے۔ یہ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کا نقص نہیں بلکہ اس سنجیدگی کا نقص ہے جو مسلمانوں میں مفقود ہو چکی ہے۔ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کہتے ہیں مگر سنجیدگی سے اس پر ایمان لانے اور ہر چیز پر لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کو مقدم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ہر دوسری چیز کو لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ پر مقدم کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ ذاتی فوائد کے حصول کے لیے اپنا ایمان بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اخلاق بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی دیانت بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنا حسب ونسب بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے عزیز ترین وجود بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اپنی قوم اور اپنی ملت بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ غرض ذاتی طور پر انہیں جو فوائد بھی نظر آتے ہوں اُن کے لیے وہ اپنی ہر چیز بیچنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ پر سنجیدگی سے ایمان نہیں رکھتے۔ وہ عقیدۃً لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ کے قائل ہیں اور اُسے مانتے ہیں۔ مگر محض ماننے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا جب تک انسان اپنی عملی زندگی بھی اُس کے مطابق ڈھالنے کے لیے تیار نہ ہو۔

آج کل ایک طرف تو احرار کی طرف سے یہ شور مچایا جاتا ہے کہ جو احمدی ہو اُسے مار دو اور لُوٹ لو اور دنگا اور فساد کرو۔ اور دوسری طرف انہی لوگوں میں سے بعض کی طرف سے مہینہ میں ایک دفعہ، بعض دفعہ ہر پندرھویں دن اور بعض دفعہ ہر ہفتہ بلکہ بعض دنوں میں دو دو تین تین خط مجھے اِس قسم کے آجاتے ہیں کہ ہم احمدی ہونے کے لیے تیار ہیں آپ ہمیں یہ بتائیں کہ اگر ہم احمدی ہو گئے تو آپ ہمیں کیا دیں گے۔ گویا دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے عقیدہ کو چند پیسوں پر بیچنا چاہتے ہیں۔ اِس قسم کے خط لکھنے والے بعض دفعہ اچھے اچھے خاندانوں میں سے ہوتے ہیں بعض دفعہ وہ علماء کی اولاد میں سے ہوتے ہیں اور بعض دفعہ

وہ فقہاء کی اولاد میں سے ہوتے ہیں، بعض دفعہ وہ مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کی اولاد میں سے ہوتے ہیں، بعض دفعہ وہ قومی کارکنوں کی اولاد میں سے ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ ہمیں یہ لکھنا کوئی معیوب نہیں سمجھتے کہ اگر ہماری تعلیم کا انتظام کر دیا جائے یا ہماری ملازمت کا انتظام کر دیا جائے یا ہماری شادی کا انتظام کر دیا جائے تو ہم احمدی ہونے کے لیے تیار ہیں۔ ہم تو ایسے لوگوں کو یہ جواب دے دیا کرتے ہیں کہ مذہب بیچا نہیں جاتا۔ آپ لوگ مذہب کو بیچنا چاہتے ہیں اور ہم میں اس کے خریدنے کی طاقت نہیں۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ لکھنے والے کو یہ جرأت ہوتی کیوں ہے؟ ایک لکھنے والا جب لکھتا ہے کہ میں آپ کے مذہب میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ آپ اس کے بدلہ میں مجھے کیا دیں گے؟ تو مَیں تو سمجھتا ہوں اگر اُس میں ذرا بھی سنجیدگی ہوتی تو یہ الفاظ لکھتے وقت اُس پر فالج گر جاتا یا اُس کا دل بند ہو جاتا اور اس میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوتا تو وہ یہ خیال بھی اپنے دل میں نہ لاتا کہ مذہب کو دوسرے کے پاس بیچا جاسکتا ہے۔ اب خواہ یہ مولویوں کے ورغلانے کا نتیجہ ہو یا کسی کے اپنے ہی ایمان کی کمزوری اِس کا باعث ہو بہرحال وہ اتنا بڑا فقرہ اپنے خط میں لکھتا ہے کہ جس مذہب اور عقیدہ کا میں پابند ہوں وہ ہے تو سچا لیکن اگر آپ میری تعلیم کا انتظام کر دیں یا میری شادی کا انتظام کر دیں یا میری نوکری کا انتظام کر دیں تو میں اپنے عقیدہ اور مذہب کو چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ اس سے پتا لگتا ہے کہ اِس زمانہ میں لوگ ایمان کا تو دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے ایمانوں میں سنجیدگی نہیں پائی جاتی۔ ذرا جرح کرو تو وہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ ارے ہے کیا۔ اصل چیز تو پیسہ ہی ہے۔ یوں شاید "اسلام زندہ باد" کے نعرے لگانے میں وہ سب سے آگے آگے ہوں۔ لیکن پرائیوٹ ملاقات ہو تو کہتے ہیں کہ اصل چیز تو پیسہ ہی ہے۔

پھر ہر ایک کے دو دو تین تین مذہب ہوتے ہیں۔ زبان کا مذہب اَور ہوتا ہے۔ خیالات کا مذہب اَور ہوتا ہے اور جذبات کا مذہب اَور ہوتا ہے۔ پھر خلوت کا مذہب اَور ہوتا ہے اور جلوت کا مذہب اَور ہوتا ہے۔ دوستوں کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو بے تکلفی سے مذہب پر ہنسی اور تمسخر اڑانا شروع کر دیتے ہیں اور جب باہر جلسوں میں جاتے ہیں تو گلے پھاڑ پھاڑ کر مذہب کی تائید میں تقریریں کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب وہ سوچتے اور غور کرتے ہیں تو انہیں مذہب کی

تعلیم پر قِسم قِسم کے اعتراضات نظر آنے لگتے ہیں۔ اور جب جذبات کا سوال آتا ہے تو ان کی ساری محبت اپنے بیوی بچوں اور روپیہ کی طرف چلی جاتی ہے خدا اور اُس کے رسولؐ کی طرف نہیں جاتی۔ گویا جس طرح آج کل کئی کئی کپڑوں کے جوڑے اور کئی کئی بوٹ خریدنے کا رواج ہے اِسی طرح اُن کی خلوت کا مذہب اَور ہوتا ہے اور ان کی جلوت کا مذہب اَور ہوتا ہے۔ ان کے ذکر کا مذہب اَور ہوتا ہے اور ان کے فکر کا مذہب اَور ہوتا ہے۔ ان کے جذبات کا مذہب اَور ہوتا ہے اَور ان کے خیالات کا مذہب اَور ہوتا ہے۔

لیکن حقیقی مذہب ان ساری چیزوں پر حاوی ہوتا ہے۔ اور جب انسان اسے قبول کرتا ہے تو اس کے خیالات بھی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں، اس کے جذبات بھی اس کے متاثر ہو جاتے ہیں، اس کے افکار بھی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں، اور اس کے اذکار بھی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اس کی خلوت بھی اس کے تابع ہوتی ہے اور اس کی جلوت بھی اس کے تابع ہوتی ہے۔ اور وہ جہاں بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو اس عقیدہ اور مذہب کے تابع رہتا ہے اور کبھی اسے ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا خواہ اُسے مار دیا جائے۔

گزشتہ شورش میں بعض جگہ ہماری جماعت کی مستورات نے ایسی بہادری دکھائی کہ جب شرارتی عنصر نے انہیں پکڑا اور احمدیت سے منحرف کرنا چاہا تو انہوں نے کہا کہ تم ہمیں مار دو ہمیں اس کی پروا نہیں۔ بلکہ اگر تم ہمارے جسم کے ستّر ستّر ٹکڑے کر دو تب بھی ہمیں خوشی ہے کیونکہ ہمارے ستّر ٹکڑے ہی خدا تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں بعض ایسے مرد بھی تھے جنہوں نے بزدلی دکھائی اور کمزوریٔ ایمان کا اظہار کیا۔ اگر وہ احمدیت کو جھوٹا سمجھ کر چھوڑ جاتے تو ہمارے لئے اِس میں کوئی رنج کی بات نہیں تھی۔ ہر شخص اپنی نجات کا آپ ذمہ دار ہے۔ اگر ایک شخص دیانتداری سے سمجھتا ہے کہ شیعیّت میں میری نجات ہے احمدیت میں نہیں تو وہ ہر وقت آزاد ہے کہ احمدیت کو چھوڑ دے اور شیعیّت کو اختیار کر لے۔ اس سے نہ کوئی جماعت اُسے روک سکتی ہے نہ کوئی قوم اُسے روک سکتی ہے اور نہ کوئی حکومت اُسے روک سکتی ہے اِسی طرح اگر کوئی شخص سمجھتا ہے کہ خارجیت میں میری نجات ہے تو اُس کا فرض ہے کہ وہ خارجیت کو قبول کر لے اور احمدیت کو ترک کر دے۔ یا اگر ایک شخص یہ سمجھتا ہے کہ حنفی جو کچھ کہتے ہیں وہ درست ہے تو اُس کا

دیانتداری کے ساتھ فرض ہے کہ وہ حنفی بن جائے۔ یا اگر کوئی حنفی یہ سمجھتا ہے کہ اہل حدیث جو کچھ کہتے ہیں وہ درست ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ حنفیّت کو چھوڑ دے اور اہلِ حدیث بن جائے۔ یا اگر کوئی اہلِ حدیث یہ سمجھتا ہے کہ حنفی سچائی پر ہیں تو اُس کا فرض ہے کہ وہ فرقہ اہلحدیث کو چھوڑ دے اور حنفیّت اختیار کرلے۔ لیکن جو شخص اِس خیال سے کسی مذہب کو چھوڑتا ہے کہ اگر میں اس پر قائم رہا تو لوگ مجھے مار ڈالیں گے تو وہ جس طرح ایک جگہ بے ایمان رہا اُسی طرح دوسری جگہ بھی بے ایمان رہے گا۔ اُس کا نہ یہاں اعتبار کیا جاسکتا ہے اور نہ وہاں اعتبار کیا جاسکتا ہے اور درحقیقت ایسا وہی کرتا ہے جس نے مذہب کو ساری چیزوں پر مقدم نہیں کیا ہوتا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اس بارہ میں مومنوں کو ایک اصولی ہدایت دیتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا 1 یعنی یہ مقام کہ انسان ہر قسم کے تزلزل سے بچ جائے اور اسے روحانیت اور مذہب پر ثبات حاصل ہو جائے حلال کھانے کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اگر تم حلال کھاؤ گے تو اس کے نتیجہ میں لازمی طور پر تمہیں عملِ صالح کی توفیق ملے گی۔ جس طرح آج کل کمیونزم نے یہ بات نکال لی ہے کہ سارا دھندا پیٹ کا ہے۔ چنانچہ جہاں بھی کمیونسٹوں سے بات کرنے کا کسی کو موقع ملے وہ یہی کہتے ہیں کہ اَور مسائل کو جانے دیجئے سارا جھگڑا ہی پیٹ کا ہے۔ اِسی طرح قرآن کریم بھی یہی کہتا ہے کہ پیٹ ہی اصل چیز ہے۔ مگر اُنہوں نے تو یہ کہا ہے کہ جس نے پیٹ کا مسئلہ حل کرلیا وہ کامیاب ہوگیا اور قرآن یہ کہتا ہے کہ جس نے اپنے پیٹ کو ہر قسم کے حرام سے بچالیا وہ کامیاب ہوگیا، جس نے حلال اور حرام میں ہمیشہ امتیاز کیا اور جس نے طیبات کا استعمال ہمیشہ اپنا معمول رکھا وہی ہے جسے عملِ صالح کی توفیق ملتی ہے۔ یعنی نماز کی بھی اُسے ہی توفیق ملتی ہے جو حلال کھاتا ہے، اور روزہ بھی اُسی کو نصیب ہوتا ہے جو حلال کھاتا ہے، اور حج بھی اُسی کو نصیب ہوتا ہے جو حلال کھاتا ہے اور زکوٰۃ کی بھی اُسی کو توفیق ملتی ہے جو حلال کھاتا ہے۔

بظاہر یہ ایک بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے اور انسان حیران ہوتا ہے کہ حلال کی روٹی کھانے سے نماز کی کس طرح توفیق مل سکتی ہے۔ مگر قرآن ہمیشہ اصولی باتیں پیش کرتا ہے جن پر اگر مضبوطی کے ساتھ عمل کیا جائے تو ان کے نتائج سے انسان محروم نہیں رہ سکتا۔ یہ اصولی ہدایت

قرآن کریم نے اس لیے دی ہے کہ عام طور پر مذہب اور بے ایمانی کو لوگ متضاد نہیں سمجھتے۔ وہ چھوٹے چھوٹے لالچوں کی وجہ سے بے ایمانی پر اتر آتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے کچھ بے ایمانی کر لی تو اس میں کیا حرج ہے۔ بلکہ وہ فخر کے ساتھ اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں چالاکی کی۔ اور بعض دفعہ تو وہ ایسے بیوقوف ہوتے ہیں کہ دین کے نام پر چالاکی کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اگر ہماری اس چالاکی یا دھوکا بازی کے نتیجہ میں دین کو فائدہ پہنچ جائے تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔

مجھے حیرت ہوئی جب اِسی سفر میں مجھے معلوم ہوا کہ یہاں کی ایک جماعت کے نمائندوں نے جماعت کی خاطر بے ایمانی کی ہے تا کہ اس بے ایمانی کے نتیجہ میں جماعت کو فائدہ حاصل ہو۔ مجھے جب یہ بات معلوم ہوئی تو میں نے کہا کہ اس صورت میں تو مسیح موعودؑ مومنوں کے مسیح موعودؑ نہ ہوئے بلکہ نعوذ باللہ ڈاکوؤں اور چوروں کے امام ہوئے۔ اگر ہمارے سلسلہ اور نظام نے بھی بے ایمانی سے روپیہ کمانا ہے تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ مسیح موعود ڈاکوؤں اور چوروں کے امام ہیں۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک چچازاد بھائی تھے جنہوں نے چوہڑوں کے پیر ہونے کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اس طرح ہمیں کہنا پڑے گا کہ مسیح موعود علیہ السلام نے کوئی نیک جماعت پیدا نہیں کی بلکہ دھوکا بازوں کی جماعت پیدا کی ہے۔ اس سے تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے خلاف اپنے آپ کو ایسے مقام پر کھڑا کرتا ہے جس مقام پر کھڑا ہونے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت بھی لوگوں کی نگاہ میں مشتبہ ہو جاتی ہے وہ کتنا بے ایمان اور دشمن اسلام ہے۔ اگر یہ خدا کا سلسلہ ہے تو اس کے لیے حرامخوری کی کیا ضرورت ہے اور اگر یہ خدا کا سلسلہ نہیں تو پھر چاہے ساری دنیا کی حرام خوریاں کر لو اس سے اس سلسلہ کو کیا فائدہ پہنچ جائے گا۔

یاد رکھو کمیونزم کی طرح اسلام نے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ اصل سوال پیٹ کا ہے۔ مگر کمیونزم تو یہ کہتی ہے کہ جس نے پیٹ بھرا وہی ہمارا نجات دہندہ ہے۔ اور قرآن یہ کہتا ہے کہ جس نے اپنے پیٹ میں حلال ڈالا وہی ہمارا بندہ ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں اس کے لیے نیکیوں کے رستے کھلتے ہیں۔ جب تک وہ اس امر کی پروا نہیں کرتا کہ اُس کا رزق حلال ذرائع سے کمایا

ہوا ہے یا حرام ذرائع سے اُس وقت تک نہ اُس کا لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ کہنا اُسے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ احمدی کہلانا اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ نہ حنفی، سنی، شیعہ، چکڑالوی یا اہلحدیث کہلا کر وہ خدا تعالیٰ کو خوش کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ اُسی وقت خوش ہوگا جب وہ اپنے پیٹ میں حلال روزی ڈالے گا۔ اگر وہ دھوکا بازی کے ساتھ روپیہ کماتا ہے اور حرام روٹی اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے تو اُس کا یہ سمجھنا کہ اِس کے نتیجہ میں وہ نیک اعمال بجالا سکے گا بالکل غلط ہے۔

لیکن اگر وہ حلال روزی کھائے گا تو اس کے نتیجہ میں اسے نیک اعمال کی بھی توفیق مل جائے گی۔ یعنی اس کے بعد اگر وہ سنوار کر نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ اگر وہ احتیاط کے ساتھ روزہ رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔ اگر وہ شرائط کے مطابق زکوٰۃ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ آپ ہی آپ اُس سے یہ اعمال صادر ہونے شروع ہو جائیں گے۔ آپ ہی آپ کوئی عمل ظاہر نہیں ہوسکتا۔ صرف ان کے لیے ایک رستہ کھل جاتا ہے۔ پس اس کے یہ معنے نہیں کہ اگر ایک ہندو حلال روزی کھائے گا تو وہ نماز پڑھنے لگ جائے گا۔ یا ایک سکھ حلال روزی کھائے گا تو وہ روزہ رکھنا شروع کر دے گا۔ یا ایک عیسائی حلال روزی کھائے گا تو وہ ذکرِ الٰہی کرنے لگ جائے گا۔ بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ ان نیکیوں کا رستہ اس کے لیے کھل جائے گا۔ اگر وہ نماز اور روزہ اور ذکرِ الٰہی کو اختیار کرنا چاہے گا تو اِن نیکیوں کی اُسے توفیق مل جائے گی۔ لیکن اِس کے بغیر وہ عمل صالح کی امید رکھے تو اُس کی یہ امید پوری نہیں ہوسکتی۔ ہماری جماعت کو چاہیے کہ وہ اس گُر کو اچھی طرح سمجھ لے۔

کمیونسٹوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ دنیا میں سب پیٹ کا ہی دھندا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے جس مزدور اور کسان سے بھی بات کرو۔ وہ یہی کہے گا کہ اَور باتوں کو جانے دو۔ دنیا میں تو اصل چیز پیٹ کا دھندا ہے۔ اگر کمیونسٹ ایک بات کو بار بار رٹنے سے اِس قدر پھیلا سکتے ہیں تو تم سمجھ سکتے ہو کہ اگر خدا کی بات کو رَٹنا شروع کر دیا جائے تو وہ کیوں نہیں پھیلے گی۔ اور قرآن یہ کہتا ہے کہ جس کے پیٹ میں حلال رزق جائے گا وہی دنیا میں عملِ صالح بجالا سکے گا۔ اگر ہم اپنی باتوں میں اور خطبات میں اور تقاریر میں اور آپس کے لین دین میں یہی فقرہ دُہرانا شروع کر دیں تو دنیا اِس کی قائل ہو جائے گی۔ لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ سے کس طرح محبت کریں

اور نیکیوں میں کس طرح ترقی کریں؟ گناہوں اور مختلف قسم کی بدیوں سے کس طرح بچیں؟ اپنے مقاصد میں کامیابی کس طرح حاصل کریں؟ اللہ تعالیٰ ان سب سوالات کا جواب یہ دیتا ہے کہ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عملِ صالح تم سے صادر ہوں تو تم حلال اور طیب چیزیں استعمال کرو۔ اگر تم حرام خوری کرو گے تو تم میں دھوکا بھی ہوگا، فریب بھی ہوگا، دغابازی بھی ہوگی اور لالچ بھی ہوگا۔ معاملات میں خرابی بھی ہوگی۔ اس کے بعد یہ امید رکھنا کہ تم نیکیوں میں ترقی کرنے لگ جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کی محبت تمہارے دلوں میں پیدا ہو جائے گی، محض خام خیالی ہے۔ تمہیں دونوں میں سے ایک چیز بہرحال چھوڑنی پڑے گی یا تو تمہیں اعمال صالح چھوڑنے پڑیں گے اور یا حرام خوری چھوڑنی پڑے گی۔ جو شخص ان دونوں کو اکٹھا کرنا چاہے گا وہ ہمیشہ ناکام ہوگا۔ کامیاب وہی ہوگا جو حرام خوری کو چھوڑ دے اور حلال اور طیب رزق حاصل کرنے کی کوشش کرے۔"

(الفضل 28 جولائی 1953ء)

1: المؤمنون:52